اس دوران مشرکین کی طرف سے تشدد آمیز کارروائیاں ہوئیں، آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے ان مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کا کا صبر و تحمل سے مقابلہ کیا۔ ایک مرحلہ پر آپ نے کہا **لکم دینکم ولی دین** (۷) ''تمہارا دین تمہارے ساتھ اور میرے لئے میرا دین'' مکہ مکرمہ میں دین حق کے لئے کاوشیں اور مشرکین کے متشددانہ رویہ پر استقامت کو قرآن جہاد سے تعبیر کیا ہے۔

مکہ کے تیرہ برس پر امن جدوجہد کا دور ہے۔ تکالیف، اذیتیں، تحقیر و تذلیل حتی کہ بعض ساتھیوں کا قتل بھی اس پر امن جدوجہد کو تصادم کی راہ پر نہ چلا سکا، تا آنکہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت مکہ سے ہجرت کر گئے، ہجرت کے بعد بھی کفار نے تشدد آمیز رویوں کو ترک نہ کیا اور مسلمانوں پر مسلسل دباؤ جاری رکھا، اس تشدد کے جواب میں مسلمانوں کو مناسب جواب دینے اور میدان جنگ میں مقابلے کی اجازت دی گئی لیکن اس میں بھی اعتدال و توازن کو برقرار رکھنے پر زور دیا گیا۔

وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللّٰہ لایحب المعتدین۔ (۸)

جو تم سے لڑائی کر رہے ہیں، تمہیں اللہ کی راہ میں ان سے لڑنا چاہیے مگر زیادتی نہ کرنا، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

سورۃ الحج کی آیت ۳۹ بھی قتال کی اجازت پر مبنی ہے اس میں واضح طور پر یہ دکھائی دیتا ہے کہ کفار کی جنگی سرگرمیوں کے مقابلے میں یہ اجازت دی گئی۔

جن مسلمانوں سے لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی لڑیں کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو صومعے، گرجے، عبادت خانے اور مسجدیں جہاں جہاں اللہ کا بہت سا ذکر کیا جا رہا ہے گرائی جا چکی ہوتیں، جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے بے شک اللہ توانا اور غالب ہے۔ (۹)

اس مسلح تصادم میں بھی صلح اور امن و آشتی کو پیش نظر رکھا، اگر دشمن صلح کی راہ اختیار کرے تو مسلمانوں کو بھی اسے اختیار کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہئے فرمایا:

وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی اللہ انه هو السميع العليم۔ (۱۰)

اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسا کرو کچھ شک نہیں کہ وہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔

جو غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف جارحانہ رویہ نہیں رکھتے ان سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا:

لاینهکم الله عن الذين لم يقاتلو کم فی الدين ولم يخرجوکم من ديار کم ان تبروهم وتقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين۔ (۱۱)

جن لوگوں نے تم سے دین کے لئے جنگ نہیں کی اور تم کو گھروں سے نہیں نکالا، اللہ اس سے نہیں روکتا کہ تم ان کے ساتھ احسان اور بھلائی کرو اور انصاف کے ساتھ پیش آؤ کیونکہ اللہ عدل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی جنگی سرگرمیوں کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ جنگیں کفار کے جارحانہ رویوں کا جواب تھا مشرکین مکہ کی جارحیت تو واضح ہے، یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف حضور اکرم ﷺ کے اقدامات بھی ان کی جارحانہ کارروائیوں اور سازشوں کی وجہ سے تھے، شام کی سرحد پر واقع علاقوں میں عیسائیوں کے جارحانہ رویوں کے جواب میں ہی 8 ہجری میں ایک فوج بھیجی گئی، حضور اکرم ﷺ نے حارث بن عمیرؓ کو دعوت اسلام کا خط دے کر شرجیل بن عمر غسانی کے پاس بھیجا تھا، اس نے حارث بن عمیرؓ کو قتل کرا دیا، اس ظالمانہ قتل نے آپ کو جنگ پر مجبور کر دیا، اس طرح آپ نے ایک فوج موتہ بھیجی۔ اس واقعہ کو ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ شام میں فوجیں جمع ہونے لگیں اور مدینہ پر حملے کی خبریں پھیلنے لگیں، حضور اکرم ﷺ خود دفاع کے لئے نکلے یہی اقدام ہے جس کا ذکر سورۃ توبہ میں ہے، اور یہی غزوہ تبوک کے نام

سے مشہور ہے۔

اسلام اعتدال پسندی کا نام ہے:

حضور اکرم ﷺ کی سیرت قیام امن کی ضامن ہے، آپ نے فتنہ وفساد کو ختم کر کے امن کا شاندار اسوہ چھوڑا ہے۔ اسلام سے پہلے زندگی کے بارے میں مختلف گروہوں کا رویہ افراط وتفریط پر مبنی تھا۔ ایک گروہ نے مادی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا تھا لہذا اس کی تمام سرگرمیاں اسی کے گرد گھومتی تھیں، ایک دوسرے گروہ نے مادی زندگی کو آلائش سمجھ کر رد کر دیا تھا، ان کے نزدیک سچی مذہبیت ترک دنیا ہی سے حاصل ہوتی تھی، اسلام نے ان دونوں رویوں کے درمیان اعتدال کی راہ اپنائی۔ یہ اعتدال دنیا کی روحانی تعبیر ہے، یعنی ایک انسان کاروبار دنیا کو اللہ کے احکام وقوانین کے مطابق چلائے تو دنیا کی لذتیں حاصل کرتا ہے اور مذہبی تجربے کی لطافتوں سے بھی بہرہ مند ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو امت وسط قرار دیا ہے جس کے کئی مفاہیم میں سے ایک یہ بھی ہے۔ قرآن نے کہا:

وکذلک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس
ویکون الرسول علیکم شهیدا۔ (۱۲)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا ہے تا کہ تم لوگوں
گواہ بنو اور رسول تم پر گواہی دیں گے۔

قرآن نے انتہا پسندی کے لئے جو اصطلاح استعمال کی ہے وہ غلو ہے جس کے معنی ہیں بڑھنا، زیادہ ہونا اور متجاوز ہونا، یہ لفظ اگر دین کے تعلق سے آئے تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ دین میں جس چیز کا جو درجہ و مرتبہ یا وزن و مقام ہے اس کو بڑھا کر کچھ سے کچھ کر دیا جائے۔ (۱۳) کسی کام کو قواعد وضوابط کے مطابق انجام دینا اعتدال کہلاتا ہے اور ان قواعد و ضوابط میں کمی بیشی کرنا افراط وتفریط قرار دیا جاتا ہے، اہل کتاب اپنے عقائد اور رویوں میں اعتدال کی راہ سے ہٹے ہوئے تھے اس لئے قرآن نے ان کے رویے کو انتہا پسندی سے تعبیر کیا، قرآن نے اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

یاهل الکتب لاتغلوا فی دینکم ولاتقولوا علی الله الا الحق (۱۴)

اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی
بات منسوب نہ کرو۔

دین میں مشکل پسندی بھی ایک طرح کی انتہا پسندی ہے، مذہبی لوگوں کے ہاں یہ مشکل پسندی ہمیشہ مرغوب رہی ہے، مختلف مذہبی گروہوں نے ایسی مشقیں اور ایسی مشقتیں اختیار کی ہیں کہ انسانی طبیعت اس طرح کا بوجھ نہیں برداشت کرسکتی، حضور اکرم ﷺ کی ذات ان مشقتوں اور مشکلوں سے نجات دلانے کے لئے آئی، اہل کتاب ہی کے حوالے سے قرآن نے آپ کے احسانات کا تذکرہ ان الفاظ کیا:

ویحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبئث ویضع عنھم اصرھم والا غلل التی کانت علیھم۔ (۱۵)

ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو اس پر لادے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

اہل کتاب کے ہاں چونکہ مذہبیت مشکل پسندی تھی، اس لئے ان کے سیکولر اور روشن خیال طبقے نے مذہب کا قلادہ ہی اتار دیا، دلچسپ بات یہ ہے کہ وہی اہل کتاب اب اس اعتدال پسند امت کو انتہا پسند کہتے ہیں، حالانکہ مسلمان کبھی انتہا پسند نہیں ہوسکتا، ہمارے انتہا پسندانہ رجحانات اگر کہیں پائے گئے تو وہ منحرف گروہوں میں پائے گئے جنہیں امت کے اجتماعی ضمیر نے ہمیشہ رد کیا ہے۔ اسلام ایک کھلا، اصولی اور عقلی دین ہے جس میں موافقت و مخالفت، محبت ونفرت اور یگانگت وعلیحدگی کے ضوابط موجود ہیں، یہ کوئی زیرزمین تحریک نہیں ہے کہ سازشیں کرے یا خفیہ منصوبہ بندی کرے، اس کا نصب العین واضح اور مقاصد متعین ہیں، اہل کتاب نے ہمیشہ خفیہ منصوبہ بندیاں کی ہیں سازشیں کی ہیں، بدعہدیاں کی ہیں اور انتہاء پسندانہ کارروائیاں کی ہیں، مسلمان اپنے مزاج کے اعتبار سے اس قابل ہی نہیں کہ وہ اس طرح کی سرگرمیاں کرسکے، اسلام اور کفر کا بنیادی فرق اعتدال اور انتہا پسندی کا ہے۔ انقلاب زمانہ ہے کہ بولہبی ظلمت چراغ مصطفوی پر خندہ زن ہے، اسلام نے اختلاف کے لئے بھی اصول دیئے اور رویے طے کئے، فرمایا:

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔ (۱۶)

یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔

حالت جنگ کے سلسلے میں بھی اصول دیئے اور اس میں بھی حد سے بڑھنے کی اجازت نہ دی۔

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لایحب المعتدین۔ (۱۷)

تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دہشت گرد وانتہاء پسند کون؟

یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ مسلمانوں کی جس بات کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جانا چاہئے تھا وہی قابل مذمت ہوگئی ہے۔ کوئی قوم اگر اپنے دین پر عمل کرتی ہے، اخلاقی زندگی گذارتی اور معاشرے میں عدل واحسان کے استحکام کی کوشش کرتی ہے تو اس میں انسانیت کی مجموعی فلاح ہے، اس سے فساد ومٹتا ہے اور حیات انسانی نشو ونما پاتی ہے۔ لیکن مغرب کے حکمراں چونکہ سیکولر ہیں اور جدید اقدار کو نئے مذہب کی حیثیت دے چکے ہیں لہذا مسلمانوں کا دینی عمل اور ان کی اخلاقی قدریں انہیں حیا سوز اور بے اخلاق تہذیب سے متصادم نظر آتی ہیں، مسلمانوں کی اخلاقی زندگی کے خلاف حسد وکینہ ہے جس نے انہیں مسلمانوں پر الزام تراشی کے لئے مجبور کیا ہے۔ اگر انتہا پسندی اپنے آپ کو صحیح اور دوسرے کو غلط سمجھنے کا نام ہے تو مغرب سب سے بڑا انتہا پسند ہے کہ وہ اسلحہ کے زور پر اپنے نقطۂ نظر کو نافذ کرنا چاہتا ہے اور دنیا کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کے کلچر کو اور اس کی قدروں کو اپنائے، چونکہ مسلمانوں کا اپنا نظام اقدار ہے اور وہ اس پر مطمئن ہیں تو انہیں بزور اس نظام کو ترک کرنے پر کیوں مجبور کیا جارہا ہے؟ مسلمان مغرب سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ ان کے معاملات میں مداخلت نہ کرے، اگر مسلمان اپنے

دین کے مطابق زندگی گذارنا چاہتے ہیں تو مغرب کو اس سے کیا تکلیف ہے؟ مشکل یہ ہے کہ مغرب پوری دنیا کو اپنا کلچر دینے پر اصرار کر رہا ہے اور جو شخص، گروہ یا ملک ایسا کرنے میں پس وپیش کرتا ہے تو اس پر انتہا پسندی کا لیبل لگا کر اس کے خلاف طاقت کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ (۱۸) یہی وہ فساد ہے جسے قرآن نے خشکی اور تری کا فساد قرار دیا ہے۔

ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون۔ (۱۹)

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے، عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔

یہاں ایک اور تاریخی حقیقت کا بیان بھی مناسب ہوگا، قرآن مجید نے انبیاء کی جدوجہد کے سلسلے میں جو تاریخ دعوت بیان کی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ کفر کی قیادتیں ہمیشہ متشدد (Militant) رہی ہیں، کافرانہ ومشرکانہ معاشرے کا عام آدمی اسلام کے پیغام کو سمجھنا چاہتا ہے لیکن متشدد قیادتیں اپنے سیاسی وقانونی دباؤ سے انہیں آزادی سے سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں دیتیں۔ متشدد کفر (Militant Kufr) ہمیشہ اسلام کی راہ میں رکاوٹ رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ انہیں ہمیشہ کافرانہ قیادت سے مزاحمت کا سابقہ پڑا، متشدد کافرانہ قیادت (Militant Kafir Leadership) اسلام، اسلامی قیادت اور اسلامی کارکنوں کو بدنام کرنے اور ان کی تحقیر کرنے کے جو حربے آزما رہی ہے اور جو زبان و اصطلاحات استعمال کر رہی ہیں یہ وہی ہے جو انبیا کے زمانے میں استعمال ہوتی تھیں، عام کافر ومشرک کو شاید اسلام سے اتنی مخاصمت نہیں جتنی ان کی قیادتوں اور پالیسی سازوں کو ہے۔ اصل مسئلہ متشدد کفر (Militant Kufr) کا ہے کیونکہ اس کے سیاسی اور معاشی مفادات کا تقاضا ہے کہ مسلمان مغلوب رہیں، کفر کے خلاف مسلمانوں کی مزاحمت ہی ان کے لئے مشکلات کا باعث ہے۔

دہشت گردی: مسلمانوں پر جس طرح عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے اس کے نتیجے میں ناامیدی اور مایوسی کی ایک کیفیت پیدا ہوئی ہے، مسلمانوں کے بعض نوجوانوں نے کفر کے

اجتماعی تشدد کو دہشت گردی کا نام دے کر مزید اجتماعی اور منظم دہشت گردی پر اتر آیا ہے۔ دشمن کے پاس اسلحہ اور میڈیا کی طاقت ہے اس لئے مسلمانوں کو تو مسلمہ دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے اور ان کا خون مباح سمجھا جا رہا ہے لیکن مغرب و مشرق کی طاقتور قومیں جو تخریب کاری کر رہی ہیں اسے دہشت گردی کا نام نہیں دیا جاتا۔ (۲۰)

برداشت اور رواداری:

برداشت یا بردباری اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں سے ہے جن کا متعدد بار ذکر ہوا ہے، مثلاً **واعلموا ان اللہ غفور حلیم۔ (۲۱) ولکن لا تفقھون تسبیحھم انہ کان حلیما غفوراً (۲۲)** اور **واللہ یعلم ما فی قلوبکم وکان اللہ علیما حلیما (۲۳)** حلیم وہ ذات ہے جو غصہ و غضب میں قابو سے باہر نہ ہوتی ہو۔ (۲۴) یہ اللہ تعالیٰ کی صفت حلم ہی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو برملا اپنی نافرمانی اور طاغوت کی اطاعت کرتے ہوئے دیکھتا ہے پھر بھی انہیں برداشت کرتے ہوئے اپنی نعمتوں کا تسلسل جاری رکھتا ہے اور انتقام و عقوبت پر قدرت کے باوجود انہیں ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے۔ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ **ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمھم ماترک علی ظھرھا من دابۃ (۲۵)** اگر اللہ تعالیٰ ان کے ظلم کی وجہ سے ان کا مواخذہ فرماتا تو زمین پر کوئی چلنے والا نہ بچتا۔

برداشت کے مفہوم میں اللہ تعالیٰ کی ایک اور صفت ''الصبور'' بھی ہے جس کا مفہوم حلیم سے قریب تر ہے، تاہم اس صفت کا ذکر قرآن میں موجود نہیں۔ (۲۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے زیادہ اللہ کی جانب سے صبر کی کیا شے ہوسکتی ہے کہ لوگ تو اس کے لئے اولاد قرار دیں پھر بھی وہ ان سے درگزر کرے اور انہیں رزق بھی دیتا ہے۔ (۲۷)

انسان چونکہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اس لئے صفت برداشت خداوندی کی ایک رمق اس میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ خالق کائنات کی برداشت کا احاطہ کرنے والا کوئی پیمانہ وجود میں نہیں آسکتا برداشت اور عدم برداشت کو علم نفسیات کی مختلف اصطلاحات کی مدد سے جانچنے کی سعی کی گئی ہے۔

شروع سے ہی انسان ان مشتعل احساساتی حالتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا ہے جن کا

تجربہ اسے اپنی روز کی مرہ زندگی میں ہوتا رہتا ہے، یونانیوں کا خیال تھا کہ چار مخصوص ہیجانی ردعمل ہیں، ا۔خوش مزاجی، ۲۔ پژمردگی، ۳۔غصہ اور ۴۔ ہیجان کی کمی (خوف)(۲۸) آخری تین عدم برداشت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ہر عمر کا انسان اپنے اردگرد کے ماحول سے اپنے جذباتی ہیجان کے مطابق ایک حد تک اس میں ڈھلنے کی کوشش کرتا ہے، جسے مطابقت کہتے ہیں۔(۲۹) لیکن جب ماحول اس کے مزاج طبیعت اور سوچ پر اپنا ناروا اثر ڈالنا چاہے تو انسان میں خبیث پیدا ہوتی ہے، یہیں سے عدم برداشت کا آغاز ہوتا ہے، جس کا اظہار عمر کے مختلف ادوار میں مختلف طریقے سے کیا جاتا ہے۔

شیر خوارگی میں عدم برداشت کا مظاہرہ ''رونے'' سے کر کیا جاتا ہے، رونے کا مطلب کسی خارجی یا داخلی محرک کا برداشت سے باہر ہو جانا ہے، بچپن میں برداشت اور عدم برداشت میں حد فاصل کا نام ''ضد'' ہے۔ (۳۰) اس عمر میں کسی خارجی یا داخلی محرک کا حد برداشت سے گزرنے کے نتیجے میں بچہ اپنی بات پر اڑ جاتا ہے، ضد کے بعد بچہ روٹھ جاتا ہے یا نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے یا بھوک کی کمی کا شکار ہو جاتا ہے اور بعض بچے جارحیت پر اتر آتے ہیں اور کھلونے توڑنے لگتے ہیں۔

آغاز شباب اور شباب کی منازل میں، ماہرین نفسیات ''کشمکش'' کے پیمانے سے عدم برداشت کو ناپتے ہیں۔ بچپن میں انسان کے سامنے صرف اپنی ذات ہوتی ہے جبکہ عمر کی اس نفسیاتی کیفیت میں انسانی ذہن تحفظات کا شکار ہوتا ہے جن میں کئی محرکات آپس میں متصادم ہوتے ہیں اور جب کوئی شخص اپنی ضروریات یا جذباتی خواہشات کی تسکین میں رکاوٹ سے دوچار ہو تو ذہنی و جذباتی کشمکش جنم لیتی ہے، جس کا اظہار غصہ جھنجھلاہٹ، تحسر یا بعض اوقات شدید قسم کی عضویاتی تبدیلیوں کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔(۳۱)

بعد از شباب کے مراحل میں، عدم برداشت ''ہیجان'' کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، ہیجان ایک شدید قسم کا اضطراری تاثر ہے جو کردار شعور اور احساس کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اس کے نتائج میں بعض اوقات بڑی بڑی بیماریاں جنم لیتی ہیں جن میں فشار خون، خون کی کمی یا دل و دماغ کے امراض شامل ہیں۔

المختصر یہ کہ فرد کے کردار اور شعور پر حاجت کے اثرات بڑی حد تک مقررہ صورت میں تناؤ کے درجہ پر منحصر ہوتے ہیں، اگر تناؤ ایک بحرانی نقطہ جس کو کہ Frustatin Tolerance کہتے ہیں سے بڑھ جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرد کا تطابق صورت حال کے تقاضوں سے نہیں ہوسکتا، ایسی تمام صورتوں میں فرد کی قوت برداشت سے بارہ ہوجاتی ہیں جن میں محرومی پیدا کرنے والا زائد تناؤ فرد کو مجبور کر دیتا ہے کہ صورت حال کا نامناسب ردعمل ظاہر کرے جس کے نتیجے میں وہ روتا ہے، غیض وغضب کا اظہار کرتا ہے زیادہ برائی والے کردار کی طرف رجعت کرتا ہے یا ذہنی امراض کی مختلف شکلوں میں سے کسی شکل میں اس کی شخصیت مختلف ہوجاتی ہے۔(۳۲)

عدم برداشت کی کہانی تخلیق آدم علیہ السلام سے ہی شروع ہو جاتی ہے، انسان کا شرف ابلیس کے لئے برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔(۳۳) جب اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت آدمؑ ونسل آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے انکار کر دیا۔(۳۴) اور کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔(۳۵) ابلیس نے آدمؑ ونسل آدم کے وجود اور اس کے مقام کو اپنے لئے ایک چیلنج سمجھا اور اپنی عدم برداشت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس نے کہا کہ میں اسے بھٹکانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔(۳۶) ابلیس کے عدم برداشت کی مظاہر آج تک جاری ہیں۔عالم انسانیت میں عدم برداشت کی مثال اول ہابیل اور قابل کا اختلاف ہے، ایک بھائی کے حق میں خدائی فیصلہ دوسری بھائی کے لئے نا قابل برداشت تھا چنانچہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔(۳۷) عدم برداشت کے نتیجے میں قتل کی یہ ریت اس قدر چلی کہ آج تک اس کا سلسلہ رکنے کا نام نہیں لیتا۔لڑائی جھگڑا فساد، بغاوت اور جنگ دراصل قتل سے ہی مستعار لئے ہوئے عدم برداشت کے نام ہیں جو انسانی ثقافت میں اپنی متواتر تاریخ رکھتے ہیں۔

زمین کے سینے پر انبیا سے زیادہ برگزیدہ ہستیاں اور بہتر گروہ نہیں گزرا، لیکن یہ کتنی بڑی حقیقت ہے کہ انسانوں نے عدم برداشت کا سب سے زیادہ مظاہرہ انہیں پارسا لوگوں کے سامنے ہی کیا، وہ لوگ جو بنی نوع انسان کو کھینچ کھینچ کر عذاب دوزخ سے نجات دلاتے تھے، کس قدر پریشان کئے گئے اور مارے گئے حتی کہ رسول اور ان کے ساتھی پکار اٹھے کہ (عدم برداشت کے ان مظاہر کے خلاف) اللہ کی مدد کب آئے گی۔(۳۸) کتنے ہی نبی گزرے جن

میں سے بعض نے سینکڑوں سال تبلیغ کی، کتنوں نے کیسی کیسی واضح نشانیاں اپنی قوم کے سامنے پیش کیں، کچھ نے مظاہرہ قدرت کی طرح واضح دلائل سے قوم کو سمجھانا چاہا، سبھی انبیاء کی سورج سے زیادہ روشن اور دودھ سے کہیں بڑھ کر بے داغ جوانیاں قوم کے سامنے تھیں، لیکن یہ اقوام انبیاء کا عدم برداشت تھا کہ کسی نبی کو جھٹلایا تو کسی کو دھمکایا، کسی کو لالچ سے ورغلانے کی کوشش کی تو کسی کو بستی سے نکال دیا اور کتنوں کو توقتل کر دیا اور کسی کو تو آرے سے چیر دینے میں بھی دریغ نہ کیا، بالآخر جب قوموں کا عدم برداشت نبیوں کی برداشت سے بازی جیت گیا تو عذاب الٰہی ان پر قہر بن کر اس طرح ٹوٹا کہ آج ان کا نام عبرت کا نشان بن چکا ہے۔(۳۹)

اہل مغرب کی انتہا پسندی:

صلیب نے عدم برداشت کی وہ امثال قائم کیں کہ الامان والحفیظ، اپنے ہم مذہبوں کے خلاف تقریباً تمام یورپ میں کیتھولک چرچ کی سرپرستی میں صدیوں خون کی ہولی کھیلی جاتی رہی، موت کے منہ میں جھونکنے کے نت نئے اذیت ناک طریقے دریافت کیے گئے زندہ جلا دینا تو معمول کی بات تھی، ہلکی آگ پر پہروں جلا جلا کر حوالہ اجل کیا جاتا تھا تاریخ انسانیت میں رومن چرچ سے بڑھ کر کسی اور ادارے نے عدم برداشت سے ظلم کی اتنی طویل ہیبت ناک داستان رقم نہیں کی۔(۴۰)

مارٹن لوتھر کی احتجاجی تحریک میں انگلستان کے 286 مذہبی علما کو زندہ جلا دیا گیا۔ اسپین میں 23000 نیدرلینڈ میں 50000 اور 25000 سے زائد کو دیگر یورپی ممالک میں طرح طرح سے قتل کیا گیا۔(۴۱) کلیسا کا قرنوں پر محیط یہ روح فرسا رویہ مذہب کے خلاف انسانی عدم برداشت کا باعث بنا جس کے نتیجے میں دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک اجتماعی طور پر اس روحانی سرچشمہ سے محروم ہیں اور مذہب کو انفرادی معاملہ قرار دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی صلاحیتوں میں سے سب سے زیادہ وسعت فکر کو دی ہے، جو سمندروں سے زیادہ گہری اور آسمانوں سے زیادہ وسیع ہے۔ یہ فکری عدم برداشت ہے کہ انسان نے اس خدا کے وجود کا انکار کر دیا۔ اشتراکیت کا بنیادی مفکر کارل مارکس صحیح لکھا اپنی فکر کی بنیاد ہی اس نظریہ پر رکھی کہ خدا نام کی کوئی چیز اس کارخانہ کائنات میں موجود نہیں۔(۴۲)

دھریت (سیکولرازم) نے بھی اپنی نشونما اسی ذخیرہ آب سے کی ہے، ماضی قدیم میں ''مانی'' نے ''ہر چیز ہر کسی کی ہے'' (۴۳) کا نعرہ لگا کر فکری عدم برداشت کا ثبوت دیا تھا، جس کے نتیجے میں وہ طوفان بدتمیزی برپا ہوا کہ انسانیت ویسا تجربہ کرنے کی پھر کبھی متحمل نہ ہوسکی۔

بھوک اور جنس کی عدم برداشت نے تو انسان کو'' کا الانعام بل ہم اضل'' کا مصداق کردیا ہے۔ اس اسمان نے وہ دن بھی دیکھے کہ جانوروں، پرندوں اور حشرات الارض تک کی افزائش نسل پر بے اندازہ سرمایہ خرچ کرنے والا اور نباتات و جمادات کے تحفظ پر زندگیاں صرف کردینے والے انسان کے لئے اپنی ہی نسل ناقابل برداشت ہوگئی اور اس نے پیٹ کے بہانے سے یا لذت نفس کے پیش نظر کبھی تو تجرد کو اختیار کیا تو کبھی ہم جنسیت کے جواز تلاش کئے اور جب فطرت سے ٹکرانے کے نتیجہ میں منہ کی کھائی تو خوبصورت ناموں اور دلفریب نعروں سے اجتماعی نسلی خودکشی کو اپنا وطیرہ بنالیا۔ آبادی میں کمی کے یہ دس سالہ ہوشربا اعدادوشمار فخریہ پیش کئے گئے۔ (۴۴)

عہد حاضر: عدم برداشت کا ذکر کبھی نہ ختم ہونے والا ایک تسلسل ہے، زبان و بیان کے نشتر ہوں یا توپوں کی گھن گرج، قدیم قصص ہوں یا مذہبی روایات، سود، جاگیرداری اور غلامی ہو یا جمہوریت و ملوکیت، ذاتیں، قومیں، نسلیں، اور علاقے ہوں یا قومی و بین الاقوامی مالی ومصالحاتی ادارے، زمانہ قدیم ہو یا آنے والی صدی کے خواب، عدم برداشت کی ایک طلسماتی لہر ہے، جس نے فرد سے لے کر گروہوں تک، علاقوں سے لے کر ریاستوں اور حکومتوں تک اور سیاست سے مذہب تک ہر کسی کو اپنے اندر مضبوطی سے جکڑ رکھا ہے، حتیٰ کہ معاشرتی کلچر میں بھی، جس کا کہ خمیر ہی باہمی ملنے جلنے سے اٹھالیا ہے، عدم برداشت در آئی ہے، انتہا یہ کہ تفریح کے لئے بنائے جانے والے ڈرامے، فلمیں اور اب تو موسیقی کے پروگرام بھی تشدد، مار دھاڑ، سپنس اور ایکشن سے بھرپور ہو کر برداشت سے خالی ہوگئے۔

عدم برداشت کا یہ بین الاقوامی رجحان وطن عزیز پر بھی پوری شدومد اور نحوست کے ساتھ سایہ فگن ہے، انسانیت کیطرح وطن عزیز کی تاسیس بھی عدم برداشت کے ماحول میں ہوئی، لاکھوں افراد اس کی بھینٹ چڑھے، پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ اس عدم برداشت کی اصل بنیاد ہے چنانچہ کبھی تو اس ملک کے ذمہ دار ترین لوگ یہ سوچتے تھے کہ اسے

سیکولر ریاست بنایا جائے اس مملکت نے کتنے ہی وار اپنے سینے پر سہے، شہہ رگ سے ہنوز محروم، دو لخت کشکول گداگری لئے، راہزانوں کی چھتری تلے، خون کی ندیوں میں نہاتے، بے غیرتیوں کے طوفان کا مقابلہ کرتے لالچ وحرص وطمع کے بے عمیق صحرا سے گزرتے ہوئے مشرق سے آنے والی ٹھنڈی ہوا کی تلاش میں وادی وادی، قریہ قریہ اور کوشہ کو چہ لٹتی چلی جارہی ہے۔

وطن عزیز میں کبھی تو ایک علاقہ دوسرے علاقے کو برداشت نہیں کرتا تو کبھی دونسلوں میں عدم برداشت بڑھ جاتی ہے کبھی زبان کا مسئلہ تناؤ اختیار کر لیتا ہے تو کبھی اقتدار کی کھینچ تان اسے کھوکھلا کر دیتی ہے اور اب تو پوری انسانیت کو ایک تسبیح میں پرونے والے مذہب کو بھی عدم برداشت کی جڑ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے ستاروں سے آگے کی منزل کے متلاشی اور قوموں کے راہبر اپنا ہی نصب العین کہیں گم کر بیٹھے۔ (۴۵)

کلمہ طیبہ جو وطن عزیز کی بنیاد ہے اس دنیا میں برداشت کا درس ہی دینے آیا تھا، اپنوں اور غیروں کو برداشت کرنا، دوستوں اور دشمنوں کو برداشت کرنا، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو برداشت کرنا، آقا اور غلاموں کو برداشت کرنا، غنی وغربت کو برداشت کرنا امن اور جنگ کی حالت میں برداشت، غصہ اور اضطرار کی حالت میں برداشت، نماز روزہ اور حج کی حالت میں برداشت والدین، اولاد اور زوجین کی برداشت، یہاں تو اپنے نفس پر برداشت کا کوڑا رکھنے جیسی تعلیمات موجود ہیں، غرض یہ کہ برداشت کے مفہوم میں ہی ضبط نفس اور خشیت الٰہی اس دین کی اصل ہیں۔

حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس میں توازن کا انعقاد اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہے ایک بار تین افراد نے معمولات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہی کے بعد کہا کہ پہلا: اب میں رات بھر کبھی نہ سوؤں گا۔ دوسرا: میں ہمیشہ روزہ سے رہوں گا اور تیسرا: میں اپنی بیویوں کے پاس کبھی نہ جاؤں گا، اطلاع ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار ناپسندیدگی فرمایا اور کہا کہ میں رات کو سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور اپنی بیویوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ (۴۶) اسی توازن کا نام اسلام ہے اللہ سے دعاء ہے پوری امت مسلمہ کو دشمن کے شر سے محفوظ رکھے اور ہمارے اندر برداشت واعتدال کو پیدا فرمائے۔ (آمین)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ مفردات القرآن، مادہ س ل م
۲۔ الانفال/ص ۶۱
۳۔ محمد، ۳۵
۴۔ کتاب الایمان/۴۴
۵۔ فتح القدیر/۲، ۲۰۳
۶۔ النحل: ۱۲۵
۷۔ الکافرون: ۶
۸۔ البقرہ: ۱۹۰
۹۔ الحج: ۳۹، ۴۰
۱۰۔ الانفال: ۶۱
۱۱۔ الممتحنہ: ۸
۱۲۔ بقرہ: ۱۴۳
۱۳۔ تدبر قرآن/ مولانا امین اصلاحی، ج ۲، ص ۲۰۶
۱۴۔ النساء: ۱۷۱
۱۵۔ الاعراف: ۱۵۷
۱۶۔ الانعام: ۱۰۸
۱۷۔ البقرہ: ۱۹۰
۱۸۔ اسلام اور دہشت گردی/ ڈاکٹر خالد علوی/ دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد ۲۰۰۴ء/ص ۳۱
۱۹۔ الروم: ۴۱
۲۰۔ اسلام اور دہشت گردی/ص ۳۲
۲۱۔ البقرہ: ۲۳۵
۲۲۔ الاسراء: ۴۴
۲۳۔ شرح اسماء الحسنیٰ /ص ۸۸/ تاج کمپنی کراچی
۲۴۔ ایضاً
۲۵۔ رازی فخر الدین/ شرح اسماء الحسنیٰ/ دار الکتب العربی، بیروت/ص ۳۵۳
۲۶۔ شرح اسماء الحسنیٰ/ تاج کمپنی کراچی/ص ۲۱۲
۲۷۔ فرزانہ اختر/ اساس نفسیات/علمی کتب خانہ، لاہور/ حصہ اول، ص ۱۱۳
۲۸۔ ایڈون گیرکس بورنگ/ نفسیات کی بنیادیں (ترجمہ بلال احمد زبیری/ شعبہ تصنیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی، کراچی ۱۹۶۹ء/ص ۵۶۹،
۲۹۔ قریشی ظہور الحق/ ہمارے بچے/ کتاب منزل لاہور، ۱۹۵۹ء/ حصہ اول، ص ۹۱
۳۰۔ جعفری، سید کرامت حسین/ مبادیات نفسیات/ ایم آر برادرز لاہور، ۱۹۷۵ء/ص ۳۱۹
۳۱۔ عبد القادر چوہدری/ نفسیات/ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۷ء/ص ۲۰۸
۳۲۔ ایڈن گریکس بورنگ/ نفسیات کی بنیادیں (ترجمہ بلال احمد زبیری/ص ۱۵۰، ۱۵۱
۳۳۔ بنی اسرائیل: ۶۲
۳۴۔ البقرہ: ۳۴
۳۵۔ صٓ: ۷۶
۳۶۔ بنی اسرائیل: ۶۲

۳۷۔ المائدہ:۳۰

۳۸۔ البقرہ:۲۱۴

۳۹۔ مقالات سیرت وزارت مذہبی امور ۱۹۹۹ء مقالہ ساجد خاکوانی/ص۲۳۵

40. Qadri, Abdul Hameed. dimentions of Chirstianity. Da'wah Academy Islamabad. 1998 P.32

41. Ibid. P.37

۴۲۔ محمد قطب/ اسلام اور جدید ذہن کے شبہات (اردو ترجمہ)/ البدر پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۳ء/ص۳۱۶

43. Encyclopaedia britannica VII Vo. II 15th Edition Villiam Benton Publishers 1973 London. P.446

44. Amoled T J, Heidenheimer. Comperative Public Policy. Thierd Edition. P. 276 Services Book Club 1996

۴۵۔ مقالات سیرت وزارت مذہبی امور ۱۹۹۹ اسلام آباد/ص۳۳۶

۴۶۔ محمد سید سابق/ فقہ السنہ المجلد الثانی/ الحدیث خلف جامع الازھر قاہرہ/ص۸

قصیدہ بہاریہ

(حجۃ الاسلام: مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند)

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہوسگان مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینے کے مجھ کو مو رو مار
اُڑا کے باد مری مشت خاک کو پس مرگ
کرے حضور کے روضے کے آس پاس نثار

پروفیسر قاری بدرالدین ☆

عہد حاضر میں انتہاء پسندی کا رجحان اور اسکا خاتمہ

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زنّاری
نہ ہے زماں، نہ مکاں لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کے آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

انتہا پسندی کی ضد اعتدال پسندی اور حلم ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ انتقام کی قدرت ہونے کے باوجود کسی ناگوار خلاف مرضی یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کر لینا۔ غیظ و غضب کے موقع پر غصہ پی جانا۔ آپے سے باہر نہ ہونا، طیش میں نہ آنا اور اپنے نفس وطبیعت کو قابو میں رکھنا۔ (۱)

انسان کے باطنی کمالات اخلاق عالیہ اور اوصاف حسنہ میں یہ ایسا عمدہ اور بلند ترین وصف ہے جو ایک تو اللہ کو بہت پسند ہے، دوسرے اخروی ثواب و درجات کے علاوہ بیشمار دینوی معاشرتی برکات اور بھلائیوں کا سرچشمہ ہے (۲) یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ اور تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس کے بڑے فضائل اور تاکید بیان فرمائی گئی ہیں۔ جس کی قدرے تفصیل انشاء اللہ آگے آرہی ہے۔

☆ ایم اے عربی، اسلامیات، ایم فل جامعہ کراچی۔ استاذ وصدر شعبۂ عربی، فیڈرل اردو یونیورسٹی عبدالحق کیمپس کراچی، وممبر بورڈ آف اسٹیڈیز جامعہ کراچی

اس کے برعکس خدانخواستہ اگر کسی انسان میں قوت برداشت کا مادہ نہ ہو اور فطری و جبلی طور پر وہ اس کے اکتساب کی کوشش بھی نہ کرے تو گویا وہ ہرقسم کے خیر سے محروم ہے۔(۳)

انتہاء پسندی جہاں ایک زبردست اخلاقی عیب ہے(۴) وہاں بے شمار اخلاقی خرابیوں اور معاشرتی مفاسد کی جڑ بھی ہے۔ جس کے نتیجے میں صرف اسی انسان کونہیں بلکہ بسا اوقات پورے ملک وقوم اور سارے انسانی معاشرے کومصائب وآلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ انتہاء پسندی کے بھیانک نتائج جو لوگوں کو بھگتنے پڑے ان سے انسانی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اس مختصر مقالہ میں احاطہ مشکل ہے مگر نمونے کے لئے چند نظائر پیش خدمت ہیں۔

ہمارے بعض شہروں بالخصوص دیہاتوں میں جدی پشتی خاندانی عداوتیں، لڑائیاں جھگڑے اور مستقل مقدمہ بازی کی معاشرتی بیماریاں اکثر معمولی اور چھوٹی باتوں کو برداشت نہ کرسکنے کا ہی ہوشربا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح سیاسی میدان میں اب تک کسی حکومت کا اپنی آئینی مدت پوری نہ کرسکنا۔ متعدد حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ کا تماشہ آزادی کے بعد جمہوریت کے بجائے زیادہ تر عرصہ مارشل لا کی نذر ہو جانا مشرقی پاکستان کی علیحدگی، متعدد سیاستدانوں کا قتل، اسمبلیوں کے اجلاس کے دوران معززارکان اسمبلی کا باہم دست وگریباں اور گتھم گتھا ہونا اور گالی گلوچ سے پارلیمنٹ جیسے باوقار ادارے کا مچھلی بازار کا منظر پیش کرنا، ایک دوسرے پر الزام تراشیاں کرنا، حزب اختلاف کا بہرکیف اور بہرصورت حزب اقتدار کی مخالفت کرنا، حکومت کو گرانے کے لئے اپوزیشن کا ہمیشہ سازشیں کرتے رہنا اور ہرممکن حربہ استعمال کرنا وغیرہ، وغیرہ۔ یہ سب کچھ انتہاء پسندی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ سیاسی اعتبار سے اگر ایک دوسرے کو برداشت کرلینے اور حصول اقتدار کے لئے اپنی باری کا انتظار کرنے کا جذبہ ہوتا تو یقیناً اندرون ملک اور بیرون ملک استحکام کی صورت حال آج سے کہیں بہتر ہوتی۔

علاوہ ازیں مذہب مسلک اور دین کے حوالے سے وطن عزیز میں انتہاء پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحان نے جو افسوسناک الم ناک بھیانک اور تباہ کن صورت حال اختیار کررکھی ہے اس کو دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہمارا دین اسلام سے، (العیاذ باللہ) کوئی تعلق ہی نہیں، کیونکہ اسلام تو بڑے سے بڑے مخالف اور غیر مسلم کو بھی نہ صرف برداشت کرنے بلکہ اس